

Received: 17th September, 2025 | Accepted: 12th December, 2025 | Available Online: 31st December, 2025
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v17i02.428

مسلم سماج اور تصورِ خلافت: علامہ اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد کی علمی تعبیرات کا تقابلی مطالعہ

Muslim Society and the Concept of Khilafat: A Comparative Analysis of Allama Iqbal and Dr. Israr Ahmed's Intellectual Interpretations

SAIMA HABIB¹ AND DR. SYED AOUN SAJID NAQVI²

¹ PhD Urdu Research Scholar, Department of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad, Pakistan

² Assistant Professor, Department of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad, Pakistan
Corresponding author: Mrs. Saima Habib (saaymahabib10@gmail.com)

CONFLICT OF INTEREST: The authors declare that there are no conflicts of interest related to the research, authorship, and/or publication of this article, and that the data presented have not been fabricated or falsified.

FUNDING: This research did not receive any specific grant or financial support from public, commercial, or not-for-profit funding agencies.

PARTICIPANT CONSENT: The authors confirm that Informed consent was obtained from all participants, and confidentiality was duly maintained.

KEYWORDS: Khilāfa (Caliphate), Islamic political thought, Qur'anic worldview, political theology, South Asian Islamic thought

ABSTRACT: This paper presents a comparative study of Allama Muhammad Iqbal's and Dr. Israr Ahmed's concepts of Khilāfa (Caliphate), examining their intellectual, philosophical, and theological perspectives on Islamic political authority. Iqbal, an early twentieth-century poet-philosopher, envisioned Khilāfa as a spiritual and socio-political ideal grounded in Qur'anic principles and the collective will of the Muslim ummah. For him, it represented moral sovereignty under divine authority while rejecting autocracy and secular nationalism. In contrast, Dr. Israr Ahmed, a late twentieth-century revivalist thinker, emphasized the practical re-establishment of Khilāfa as a religious obligation, advocating a Qur'an-centered movement aimed at political and social transformation. This study does not seek a nostalgic return to the past but rather integrates Islamic intellectual tradition with constructive modern thought to address contemporary challenges. Despite their differing approaches, Iqbal's being visionary and philosophical, and Israr Ahmed's organizational and prescriptive, both thinkers converge on the belief that Khilāfa is essential for Muslim unity, spiritual renewal, and the realization of divine sovereignty. The analysis highlights their shared rejection of Western secular paradigms while contrasting Iqbal's poetic-philosophical vision with Israr Ahmed's pragmatic call to action.



This work is licensed under a [Creative Commons Attribution-Non Commercial 4.0 International License \(CC BY-NC 4.0\)](https://creativecommons.org/licenses/by-nc/4.0/)

دنیا کیونز اور سلطنتی ادوار گزار کر جدید ریاستی دور میں پہنچی ہے اور پھر نرم سرحدوں کے ذریعے چند ریاستی اتحاد و انضمام بھی وجود میں آئے اور آ رہے ہیں۔ اس دوران ملکوں کی مدیریت کے لیے متنوع و متعدد نظام ہائے مملکت بھی وجود میں آتے رہے ہیں۔ ان میں ہی ایک نظام، اسلامی نظام ہے جو صدیوں پہلے جزیرہ نمائے عرب میں پیش کیا گیا اور اپنے زمان و مکان کے اعتبار سے سلطنتوں میں

گھرے ایک صحرائی خطے میں غلامی و استبداد سے نجات کی طرف بڑا قدم اور حریت انسانی کا منفرد نمونہ تھا۔ گو کہ اس کے نفاذ پر مسلمان میں اختلاف ہے اور اس کی عملی صورت اپنے اندر بہت سے نزاعات رکھتی ہے لیکن برتر معاشرے کی منزل اور عادلانہ نظام کا قیام مشترک اہداف تھے جو تنازعے کی وجہ سے ابتدا میں ہی متاثر ہوئے۔ بایں ہمہ اس دور کو گزرے ہوئے بھی طویل عرصہ بیت چکا ہے لیکن پھر بھی مسلم مفکرین اسے قابل عمل و مثالی قرار دیتے ہیں اور کچھ مفکرین اس دور میں قائم ہونے والے نظام کو ہی اس نظریے کی مکمل عملی صورت سمجھتے ہیں۔ جن میں ایک نام علامہ محمد اقبال کا ہے، جنہوں نے اس مشاورتی نظام کو نئے جمہوری نظام سے آمیختہ کر کے جدید زمانے کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے بعد آنے والے کچھ علما میں سے ایک عالم ڈاکٹر اسرار احمد وہ دانشور ہیں۔ جنہوں نے چودہ صدیوں پیشتر قائم ہونے والے نظام خلافت کو ہی من و عن آج کے لیے نہ صرف قابل عمل سمجھا ہے بلکہ اسے دنیا کی نجات و سعادت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ اس مقالے میں جمہوریت کو آج کے دور تک کام عیب ترین نظام تسلیم کرتے ہوئے ان دو اہل فکر کے تصور خلافت کے اشتراکات و امتیازات جاننے کی غیر جانبدارانہ کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ مسلم دنیا میں قائم آمریتوں اور جعلی جمہوریتوں کے مابین حقیقی جمہوریت کے نزدیک تر اور قابل عمل تر نظریے کی تشخیص میں جزوی طور پر کچھ زاویوں کو روشن کیا جاسکے اور رائج عالمی نظام کی خامیوں کو دور کرنے کی کوششوں میں ایک رائے کی تشکیل میں چند حروف کا اضافہ کیا جاسکے۔

ہر مفکر کی فکری اساس اس کا تصور کائنات ہے۔ علامہ اقبال ایک دینی تصور کائنات کے حامل تھے۔ کائنات کی غیر مادی اساس کو تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے کائنات کو قرآنی زاویے سے دیکھا اور اپنے افکار کی عمارت اسی بنیاد پر تعمیر کی۔ ان کے وسعت مطالعہ، شوق و غرب سے اخذ و استفادہ اور قادر الکلام شاعر ہونے کا ہر ایک قائل ہے۔ انہوں نے اپنے افکار ادبی و غیر ادبی کلام کی صورت میں اپنے قاری تک پہنچائے۔ اقبال کی شعری کائنات میں 'بانگ درا' اور 'اسرار خودی' سے 'ارمغان حجاز' تک اور نثری نمونوں، ان کے خطبات و مکاتیب میں جا بجا مسلمانوں کے انفرادی و اجتماعی تربیت کے نکات کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی و سماجی نظام پر نقد کے ساتھ اصلاحی آراء ملتی ہیں۔ ان کی فکر میں جہاں وطنیت، قومیت، جمہوریت، تصوف، ختم نبوت اور وحدت الوجود جیسے متنوع موضوعات ملتے ہیں وہیں "خلافت" کے موضوع پر بھی اقبال نے اپنی منفرد رائے قائم کی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد میڈیکل کے شعبے سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے دین اسلام کو اپنی دلچسپی و تبلیغ کا محور بنا لیا اور قرآن فہمی و قرآنی تعلیمات کی ترویج کو اپنا مقصد حیات قرار دیا۔ انہوں نے اردو میں ۶۰ سے زیادہ کتب تحریر کیں، جن میں سے ۹ کا انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان میں 'اصلاح معاشرہ کا قرآنی تصور'، 'اسلام اور پاکستان'، 'علامہ اقبال اور ہم'، 'استحکام پاکستان'، 'مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل' جیسی کتب وہ تخلیقات ہیں جن میں اسلام کے سیاسی نظام خصوصاً نظام خلافت کے خدو خال پر گفتگو کی گئی ہے۔ ان کی نثر سادہ و استدلالی ہے، تفہیم موضوع پر زور ہے اور البلاغ اس کی بنیادی صفت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سمجھتے تھے کہ مسلمان جب تک قرآن کی تعلیمات کو اپنے اجتماعی نظام حیات میں شامل نہیں کرتے تب تک ترقی نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے افکار کتب، خطبات، درس قرآن اور لیکچرز کے ذریعے عوام تک پہنچائے۔ ان کا انداز مدلل اور پر زور تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نوجوانوں کو قرآن کی طرف راغب کرنے میں پیش پیش رہے۔ ان کے موضوعات میں قرآن فہمی، قرآن کی تفسیر، اللہ کی حاکمیت

قائم کرنا اور خاص طور پر خلافت کا قیام شامل رہے۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد دونوں نے ہی اپنے اپنے انداز میں، زمانے کے حساب سے امت مسلمہ کو بیداری کی دعوت دی۔ علامہ اقبال نے قرآنی مفاہیم و تعبیرات کو منظوم و منشور سہ زبانی کلام کی صورت میں جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد نے خطابت و کتابت کے ذریعے اپنی قرآنی تعبیرات کو دوسروں کے سامنے رکھا۔

خلافت عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظ "خَلْف" سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب جانشینی یا کسی کی جگہ لینا ہے۔ خلافت ایک مسلم سیاسی اصطلاح ہے۔ علمائے اسے ایک ایسا نظام حکمرانی قرار دیا ہے جو اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کی روشنی میں قائم ہوتا ہو اور اس میں قرآن و سنت سے اخذ شدہ اصولوں کے تحت حکومتی معاملات چلائے جائیں۔ اس نظام حکومت کے سربراہ کو خلیفہ کہا جائے گا۔ عام طور پر خلیفہ کے حوالے سے دو معنی استعمال ہوتے ہیں۔ خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ الرسول، خلیفۃ اللہ سے مراد زمین پر اللہ کا نائب ہونا اور خلیفۃ الرسول سے مراد رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہونا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا جانشین بنا کر بھیجا ہے۔ دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔"^(۱)

خلافت ایک مسلم سیاسی تصور حکمرانی ہے۔ حضور کی زندگی میں جزیرہ نمائے عرب میں ایک ریاست کے ابتدائی خدوخال واضح ہو چکے تھے لیکن باقاعدہ طور پر مسلم خلافت کا آغاز نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد ہوا۔ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ریاست کا ابتدائی خاکہ تشکیل پا رہا تھا، ابھی باقاعدہ اسلامی ریاست قائم نہیں ہوئی تھی۔ نبی اکرم کی ریاست مدینہ کا خاکہ صرف ایک سیاسی نظام نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسی فلاحی ریاست کا تصور تھا جو الہی اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی عدل و انصاف کی اولین ترجیح پر قائم ہونا تھا۔ پھر دور خلافت آیا جس میں انہی اصولوں کی پیروی کا عزم کیا گیا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خلافت کا تصور مختلف تاریخی اور سیاسی حالات کے تحت بدلتا چلا گیا اور آج یہ ایک متنوع تاریخی پس منظر اور متنازعہ فکری مباحث کا حامل موضوع بن چکا ہے۔

خلافت کو مروجہ مسلم تاریخ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نظری طور پر اس نظام حکومت کا انتظام و انصرام قرآن و سنت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ مساوات، انصاف اور اجتماعی بھلائی اس نظام حکومت کے بنیادی اہداف ہیں۔ جس میں حکمرانوں کو اللہ کے قانون کے مطابق عوام کی فلاح و بہبود کے لیے عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کی رو سے صرف یہ ہے کہ ریاست خدا اور رسول ﷺ

کی قانونی بالادستی تسلیم کر کے اس کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی

کے تحت خلافت (نیابت) کی حیثیت قبول کرے۔"^(۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں اپنا نمائندہ بھیجا۔ جنہیں ہم انبیاء کہتے ہیں۔ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے معاملات سرانجام دیتے ہیں۔ خاص ترین معنی میں یہی انبیاء خلیفۃ اللہ ہیں اور ان انبیاء کا سلسلہ خاتم النبیین ﷺ پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم کے نائب اللہ اور رسول کا پیغام لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ جن کی بنا پر انہیں "خلیفۃ الرسول" کہا جاتا ہے۔

قرآن کی رو سے کلی طور پر ہر انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے لیکن خاص معنی میں انبیاء ہی خلیفۃ اللہ کہلائے جانے کے زیادہ حق دار ہیں اور وہ اللہ کے احکامات کو من و عن نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ اس ذمہ داری کے لحاظ سے خاص معانی میں اگر دیکھا جائے تو خلافت کا آغاز حضرت آدم سے ہے جو حضور پر آکر ختم ہو گیا۔ آپ کے وصال کے بعد حکومت کی سربراہی کے لیے سفینہ بنی ساعدہ کے مقام پر کچھ صحابہ کرام کے درمیان مشاورت ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ گو کہ نبی کریمؐ کے خاندان بنو ہاشم کی عدم شرکت کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا اور نظریہ امامت کے حامل مکتب فکر (اہل تشیع) نے اس نظام سے اتفاق نہ کیا لیکن مسلمانوں کے ایک مکتب فکر (اہل سنت) کے مطابق خلافت قائم ہو گئی اور یہاں سے خلافت راشدہ کا دور شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار کو خلفائے راشدین کا دور کہا جاتا ہے۔ خلافت اپنے ابتدائی دور میں اللہ کی امانت کے طور پر متعارف ہوئی، مسلمانوں کی مشاورت اس کا طریقہ انتخاب ٹھہرا اور اپنے اہداف میں عدل اجتماعی اس کا بنیادی رکن تھا۔ مولانا مودودی جیسے نامور محققین کے نزدیک حضرت علیؓ کے دور کے بعد خلافت مکمل طور پر ملوکیت میں بدل گئی اور اموی خاندان متمکن ہو گیا۔

اموی طرز حکومت سے خلافت کا جمہوری اور شورائی انداز ختم ہو گیا۔ اموی خلافت کے بعد عباسی خلافت قائم ہوئی اور پھر اس کے بعد خلافت عثمانیہ کا دور آیا۔ جس کے بعد خلافت کی اصطلاح عملی طور پر مسلم سیاسی نظام سے غائب ہو گئی۔ ۱۹۲۴ء میں ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد آج تک خلافت قائم نہ ہو سکی۔ خلافت کے خاتمے کے بعد مسلم دنیا مختلف علاقائی اقوام میں بانٹ دی گئی۔ یہ مسلم اقوام عالمی سطح پر اپنی غالب حیثیت کھو بیٹھیں اور استعماری طاقتوں کے بنائے ہوئے نظام کا حصہ بن گئیں۔

علامہ اقبال ایک مفکر شاعر تھے اور ڈاکٹر اسرار احمد بھی اپنے وقت کے معروف عالم دین تھے ان دونوں نے مسئلہ خلافت کو خاص اہمیت دیتے ہوئے اس کی اپنی اپنی تعبیرات پیش کی ہیں۔ ان کے تصورات خلافت میں جا بجا مشترکات کے علاوہ کچھ اختلافات بھی نظر آتے ہیں۔ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کی بلا شرکت غیرے حاکمیت پر متفق نظر آتے ہیں اور بادشاہت کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

خلافت	برمقام	ما	گواہی	است
حرام	است	آنچہ	پادشاہی	است
ملوکیت	ہمہ	مکر	و	نیرنگ
خلافت	حفظ	ناموس	الہی	است ^(۳)

ترجمہ: خلافت ہمارے مقام پر گواہی ہے، ہم پر بادشاہی کرنا حرام ہے، بادشاہت سراسر فریب اور دھوکہ دینا ہے، اللہ کے ناموس کی حفاظت کرنے کا نام خلافت ہے۔

اقبال کے بقول ان کی فکری بنیاد قرآن کریم ہے۔ اسی تسلسل میں اقبال کے تصورِ خلافت کی بنیاد بھی قرآن و سنت ہے۔ ان کے نزدیک خلافت ایک سیاسی نظام ہی نہیں بلکہ ایک برتر روحانی اور اخلاقی نظام کا غالب جزو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ عدل و انصاف قائم کر سکے اور اقبال کے نزدیک خلافت یعنی شوریٰ نظام ہی مسلمانوں کے لیے بہترین نظام ہے۔ خالق کائنات کا منصوبہ ہی یہی ہے کہ نظامِ خلافت قائم کیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار بھی نظامِ خلافت کے قائل ہیں۔ ان کے تصورِ خلافت کی بنیاد بھی قرآن و سنت ہی ہے۔ خلافت کے لیے وہ "خلافت علیٰ منہاج النبوة" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد قرآن کریم کی سورۃ یوسف (آیت نمبر ۴۰)، سورۃ بنی اسرائیل (آیت نمبر ۱۱) اور سورۃ کہف (آیت نمبر ۲۶) کی روشنی میں خلافت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے خلافت کو ہی بہترین نظام قرار دیتے ہیں۔^(۴)

ڈاکٹر اسرار احمد کا کہنا ہے کہ حکم دینے کا اختیار، فیصلے کا اختیار قانون کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔ اللہ تمہا مالک ہے۔ تمام اختیارات صرف اور صرف اللہ کے پاس ہیں۔ ہم نے اللہ کو مسجدوں تک محدود کر کے رکھا ہے جبکہ ہمیں اپنے ہر معاملے میں اللہ کے احکامات کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی حاکمیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اگر کوئی حاکمیت کا دعویٰ کرے گا تو وہ شرک ہو گا۔ انسان کو جو بھی اختیارات دیے گئے ہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر ان کا استعمال کر سکتا ہے۔ اقتدار کا مالک اللہ ہے اور یہ حکومت انسانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے۔

"انسانوں کے لیے حاکمیت نہیں خلافت ہے۔ انسانوں کی حاکمیت خواہ شخصی ہو یا اجتماعی قرآن کی رو سے شرک ہے۔"^(۵)

اسلام قوم، نسل، رنگ اور جغرافیے سے بالاتر ہو کر وحدت کا پیغام دیتا ہے۔ قرآن مجید میں زبان، رنگ یا قدرت کے دوسرے ناگزیر عوامل کی بنا پر ہر قسم کی فضیلت اور برتری کو مسترد کر دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔"^(۶)

اقبال تصورِ خلافت کے تناظر میں قوم پرستی کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اسے امتِ مسلمہ کی وحدت کے راستے میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک مسلمان ایک روحانی ملت ہیں۔ ان کی شناخت رنگ، نسل، زبان یا وطن سے نہیں بلکہ دین اسلام سے ہے۔ قوم پرستی کا نظریہ مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اقبال قومیت اور وطنیت کو شرک اور بت پرستی سے کم نہیں سمجھتے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے^(۷)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی^(۸)

ڈاکٹر اسرار احمد بھی قوم پرستی کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ قوم پرستی کو ایک شرک کہتے ہیں جس نے امت مسلمہ کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ کسی بھی قوم کو آپس میں جوڑے رکھنے کے لیے ایک اجتماعی قوت ہونی چاہیے۔ جس کی وجہ سے ان کے درمیان محبت پیدا ہو اور وہ دین ہی ہے جو امت مسلمہ کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھے گا۔ قوم، رنگ، نسل، رواجات اور علاقائیت تو اختلاف پیدا کرتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج مسلمان بہت سے ٹکڑوں میں بٹ چکے ہیں۔ قوم پرستی کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد رقم طراز ہیں:

"اسلام کسی قوم، زبان، نسل یا وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدے کی بنیاد پر ایک امت تشکیل دیتا ہے۔" (۹)

ایک اور جگہ ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

"اسلامی خلافت ایک امت کی نمائندگی کرتی ہے نہ کہ کسی قوم یا نسل کی۔" (۱۰)

علامہ اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد دونوں ہی اسلام کے بنیادی تصور خلافت کے حامی ہیں۔ ان کے نزدیک نبی اکرمؐ کے بعد شخصی خلافت ختم ہو گئی اور اجتماعی خلافت شروع ہوئی جو بعد میں ملوکیت میں بدل گئی۔ دونوں خلافت کو ایک مکمل نظام حیات کا جزو لاینفک سمجھتے ہیں کیونکہ یہ نظام ایک ایسا معاشرہ فراہم کرتا ہے جہاں انصاف، عدل اور اخلاقی اقدار کی حکمرانی ہو۔ جہاں دونوں مفکرین کے ہاں اتفاقات و اشتراکات پائے جاتے ہیں، وہیں دونوں کے تصور خلافت میں امتیازات و اختلافات بھی موجود ہیں اور عملی فرق بھی واضح ہے۔ علامہ اقبال امت مسلمہ کو یہ بات باور کرواتے ہیں کہ خلافت ہی وہ نظام ہے جو مسلمانوں کو آپس میں جوڑے رکھ سکتی ہے اور اس سے ہم و معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جو خالص اسلامی اصولوں کے مطابق ہو گا۔ علامہ اقبال نے اپنی مفکرانہ شاعری اور استدلالی نثر کے ذریعے خلافت کی اہمیت کو بیان تو ضرور کیا لیکن انہوں نے خلافت کے لیے عملی طور پر جدوجہد نہیں کی اور نہ ہی اس کے قیام کے لیے کوئی تنظیم تشکیل دی۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک خلافت کا قیام صرف زبانی یا معلوماتی تحریک سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے ایک انقلابی اور تنظیمی تحریک کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے عملی طور پر اقدام کرنے ہوں گے تاکہ خلافت کا قیام ممکن ہو سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے خیال میں یہ نظام آسانی سے رائج نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا ایک ایک مرحلہ مسلح تحریک بھی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے لوگوں کو اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ خلافت کے نفاذ کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد عملی تحریک کے حامی ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے ایک تنظیم بھی بنائی جس کا نام "تنظیم اسلامی" تھا۔ جس کا اولین مقصد خلافت کا نفاذ تھا۔ گو کہ ان کا یہ نظریہ و اقدام آج دہشت گردی سمجھا جاتا ہے لیکن بڑی طاقتوں کی طرف سے عالمی قوانین سے ماورابین الاقوامی دہشت گرد تنظیموں کی پشت پناہی ایسی آرا کو جواز مہیا کرتی ہے۔

اقبال خلافت کو قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی جمہوری نظام کے طور پر دیکھتے ہیں۔ وہ جمہوریت کے حامی تو ہیں لیکن مغربی جمہوریت کے خلاف ہیں۔ جہاں انسانی ارادہ بے مہار ہے اور ہر خاص و عام انسان کی خواہش کو درست و غلط کا معیار بنا لیا جاتا ہے ان کا مشہور شعر ہے کہ:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے^(۱۱)

اقبال کے نزدیک مغربی جمہوریت میں انسان کے سیاسی مسائل کا حل نہیں ملتا اگر کوئی حقیقی نظام جمہوریت کے تقاضے پورے کر سکتا ہے تو وہ صرف خلافت ہے۔ مغربی جمہوریت ایک دھوکہ ہے، اقبال نے اسے ملوکیت اور آمریت کی ہی ایک چمک دار شکل قرار دیا ہے۔ مغربی جمہوریت میں بے مہار ذاتی خواہشات و غرائض کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ ان کے مطابق اس نظام کا حقیقی انسانی حقوق سے کوئی سروکار نہیں مغربی جمہوری نظام، حقیقی جمہوریت کے اصلی تقاضے پورے نہیں کرتا۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندرون چنگیزی سے تاریک تر^(۱۲)

اقبال جمہوریت کو اسلامی روح کے مطابق دیکھنا چاہتے تھے جہاں افراد کی قابلیت اور کردار کو مد نظر رکھا جائے۔ اقبال کے نزدیک خلافت صرف فرد واحد کے اقتدار کا نام نہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی ذمہ داری ہے جو امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ اقبال خلافت میں بنیادی اصولوں کو دیکھتے ہیں جس میں عوامی مشاورت، عدل، مساوات اور دینی اصولوں کی پاسداری شامل ہے۔ اقبال کے نزدیک اس نظام حکومت کا سربراہ مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے منتخب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ

"ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے پاتے ہیں"^(۱۳)

اقبال پارلیمانی نظام کے حامی ہیں۔ کیونکہ اسلامی ریاست کی بنیاد شوراہیت پر ہے اور شوراہیت کے لیے بہترین نظام پارلیمانی نظام ہی ہے۔ اقبال نے دینی جمہوریت کا تصور پیش کیا جس میں انسانی ارادہ اپنی نفسانی خواہشات کا مطمع نہ ہو بلکہ جمہوری نظام اسلامی اقدار کے تابع ہو۔ وہ ایسے پارلیمانی نظام کی بات کرتے ہیں جہاں قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق قانون سازی کی جائے۔ اقبال جس نظام خلافت کے حامی ہیں اسے جمہوری خلافت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہ اصطلاح مولانا مودودی نے استعمال کی ہے۔

"اسلامی جمہوریت ایک مکمل جمہوریت ہے اتنی مکمل جتنی کوئی جمہوریت مکمل ہو سکتی ہے۔ البتہ

جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریہ سیاسی

"جمہوری حاکمیت" کا قائل ہے اور اسلام "جمہوری خلافت" کا۔"^(۱۴)

بالفاظ دیگر اقبال جمہوریت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ جمہوریت کی خاص صورتوں کے مخالف ہیں۔ انہوں نے اپنے بعض اشعار میں جمہوریت کی تعریف بھی کی ہے:

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو^(۱۵)

وہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

"جمہوری طرز حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے"^(۱۶)

اقبال خلافت کو ایک متحرک نظام کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خلافت کا نظام جامد نہیں ہونا چاہیے بلکہ وقت اور حالات کے مطابق اس میں اختیار کا راستہ کھلا رکھنا چاہیے۔ خلافت کو ماضی تک محدود کرنا اسلام کی روح کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد جمہوریت کے سخت مخالف ہیں۔ وہ جمہوریت کو خلافت کی ضد سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ خالص مغربی فکر ہے جس میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ حکومت عوام کی ہے جو کہ اسلامی نظام کے برخلاف ہے۔ خلافت ہی اللہ کی حاکمیت ہے۔ حکومت بھی اس کی ہے۔ انسان صرف ان اختیارات کو حدود و قیود کے اندر استعمال کرنے کا پابند ہے جو اسلام نے اس کے لیے مقرر کیے ہیں۔

"حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول اکرمؐ اس کے نمائندے ہیں۔" (۱۷)

ڈاکٹر اسرار احمد اس لیے صدارتی نظام کو سیاسی نظام میں بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ صدارتی نظام میں فرد واحد کی حکومت ہوگی جو اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرے گا اور قرآن و سنت کو قانون اعلیٰ تسلیم کرے گا۔ اس نظام میں قوت کا مرکز فرد واحد ہوگا۔ لیکن پارلیمانی نظام میں یہ قوت بکھر کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے سیاست کے لیے صدارتی نظام زیادہ موزوں ہے۔ بالفاظ دیگر وہ صدر اسلام کی طرح خواص کے منتخب کردہ ایک فرد کی خلافت کے قائل ہیں۔

علامہ اقبال اجتہاد کو ملت اسلامیہ کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں مگر وہ اجتہاد جو قرآن و سنت کے منافی نہ ہو۔ اقبال سمجھتے تھے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ اسلامی قوانین کی نئی تعبیر و تشریح بھی کی جانی چاہیے۔ تاکہ یہ واضح ہو کہ اسلام کسی ایک عہد کے لیے نہیں تھا۔ اقبال حرکت کا پیغام دیتے ہیں۔ جمود ان کے نزدیک شر ہے اور حرکت سب سے بڑی خیر۔ اس لیے اقبال نے اپنے دور میں ترکی اور ایران کی سیاسی اور معاشرتی تحریکوں کی بھرپور حمایت کی۔ اقبال کے خیال میں:

"تہذیب و ثقافت کی نظر سے دیکھا جائے تو بحیثیت ایک تحریک، اسلام نے دنیاے قدیم کا یہ نظریہ تسلیم نہیں کیا کہ کائنات ایک ساکن و جامد وجود ہے۔ برعکس اس بات کے وہ اسے متحرک قرار دیتا ہے۔" (۱۸)

اجتہاد اسلامی فکر کا ایک نہایت اہم پہلو ہے جب کوئی قوم اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف کرتی ہے تو وہ زوال اور پستی کی گہرائیوں میں گر جاتی ہے۔ اسلام ایک متحرک نظام ہے۔ جمود اور تقلید کی وجہ سے مسلمان تنزلی کی طرف جا رہے ہیں۔ قیوم نظامی لکھتے ہیں:

"مسلمان جمہود کی وجہ سے دوسری اقوام سے بہت پیچھے رہے گئے ہیں۔ وہ روز بروز زوال کی طرف جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس دوسری دنیا تحقیق اور علم کی بنیاد پر ترقی کر رہی ہے۔ اقبال مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جمہود اور تقلید کو سمجھتے ہیں۔ اقبال اجتہاد کے قائل ہیں۔" (۱۹)

علامہ اقبال کے ہاں اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے کیا جانا چاہیے۔ اجتہاد کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔

"اقبال نے ۱۹۲۴ء میں اجتماعی اجتہاد کے تصور کے لیے پارلیمنٹ کے فورم کو تجویز کیا جسے سقا اور
مخلص علمائے دین کی عملی معاونت حاصل ہو۔" (۲۰)

ڈاکٹر اسرار احمد بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ وہ اجتہاد کے تصور سے تو متفق ہیں لیکن اس تعبیر سے اتفاق نہیں کرتے کہ اجتہاد کیسا ہونا
چاہیے۔ وہ پارلیمنٹ کے ذریعے اجتہاد کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک اجتہاد کی تین اصطلاحات ہیں۔ حق اجتہاد، صلاحیت اجتہاد اور
قوت نافذہ۔ رائے دینا ہر انسان کا حق ہے وہ کسی بھی معاملے میں رائے دے سکتا ہے اسے ہم حق اجتہاد کہیں گے اور صلاحیت اجتہاد سے
مراد وہ شخص ہے جو اجتہاد کے ضروری تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو اجتہاد کرے، اُسے عربی زبان پر
عبور حاصل ہو، اصول اور گرائمر سے اچھی طرح واقف ہو اور استدلال کے جدید تقاضوں سے واقف ہو۔ ہر عالم اجتہاد کر سکتا ہے
بشرطیکہ وہ دین کے ساتھ ساتھ موجودہ ماحول اور موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی سمجھ سکتا ہو۔

اس کے بعد نافذ کرنے کی قوت کا موضوع زیر بحث آتا ہے۔ یعنی اس اجتہاد کے نتائج کو کون نافذ کر سکتا ہے۔ خلفائے
چہارگانہ کا دور گو کہ مصطلح اجتہادی دور نہیں تھا لیکن ان کی آراء کو قرآن و سنت سے ماخوذ ہی سمجھا جاتا تھا اس لیے اپنی آراء کو نافذ کرنے
کا اختیار بھی خلفاء کے پاس ہی تھا۔ لیکن بعد میں جب خلافت ملوکیت میں بدل گئی تو اجتہاد کے بجائے ذاتی رائے اور خواہش کی پیروی کی
جانے لگی۔

عہد حاضر میں یہ قوت پارلیمنٹ کے پاس ہے اور پارلیمنٹ میں تمام اراکین علماء اور فقہاء تو نہیں ہوتے اور وہاں چونکہ غیر
متخصص افراد کی کثرت رائے سے قانون نافذ ہوتے ہیں تو وہاں اجتہاد اپنے اصل معنی کھو دیتا ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر اسرار کا کہنا ہے کہ
موجودہ صورت حال میں جو چیزیں مباح کے زمرے آتی ہیں، پارلیمنٹ ان کے بارے میں تو فیصلہ کر سکتی ہے لیکن وہ حلال و حرام کے
گہرے مسائل میں رائے دینے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ خلافت کا پہلا بنیادی نکتہ ہی خدا کی حاکمیت ہے اور جو چیز قرآن و سنت کے
مطابق حرام ہے اُسے اجتہاد کے ذریعے بھی حلال نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر اسرار احمد "خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام" میں
رقم طراز ہیں کہ:

"ہمارے دین میں اصول دیا گیا ہے کہ آپ کتاب و سنت کے منافی کوئی قانون نہ بنائیں۔ اس
طرح قانون سازی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ ہمارے فقہاء کا اصول یہ ہے کہ ہر شے حلال ہے۔
الائیہ کہ کسی چیز کی حرمت ثابت ہو جائے اور اگر اصول یہ ہوتا کہ ہر شے حرام ہے الائیہ کہ کسی
چیز کا حلال ہونا ثابت ہو جائے تو حلال کا دائرہ بہت سکڑ جاتا جبکہ حرام کا دائرہ بہت پھیل جاتا۔
چونکہ مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور مباحات کے دائرے میں قانون سازی کی جاسکتی ہے۔
اس لیے قانون سازی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔" (۲۱)

پس ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک حق اجتہاد صرف صلاحیت اجتہاد رکھنے والے کو حاصل ہے اور اجتہاد کے نتائج کو نافذ کرنے کا اختیار بھی
ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ جامع الشرائط خلیفہ ہی اسے نافذ کرے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں مفکرین درج ذیل نکات پر متفق ہیں:

۱۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد کے تصورِ خلافت کی بنیاد قرآن و سنت ہی ہے۔ سیاسی نظام بھی قرآن و سنت کی روشنی میں ہی قائم ہو سکتا ہے

۲۔ یہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور کوئی بھی حاکمیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اسے زندگی کے تمام معاملات میں اللہ کے احکامات کی پیروی کرنی ہوگی اور اگر کوئی حاکمیت کا دعویٰ کرے گا تو وہ شرک ہوگا۔

۳۔ دونوں کے نزدیک خلافت کے بغیر کوئی بھی نظام، اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔

۴۔ دونوں ہی وطن پرستی اور قوم پرستی کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قوم پرستی اور وطن پرستی استعماری قوتوں کی سازش ہے جو مسلمانوں کو ٹکڑوں میں بانٹ دینا چاہتے ہیں۔ اسلام میں رنگ، نسل، وطن اور قوم کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ان تمام چیزوں سے بالاتر ہو کر اسلام، وحدت اور بھائی چارے کی بنیاد پر بنے نظام کا داعی ہے۔

۵۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کو ہی بہترین دور سمجھتے ہیں اور دوبارہ اسلامی خلافت کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ وہ نظامِ خلافت کو ہی ایک مکمل نظامِ حیات کا غالب و لازمی جزو سمجھتے ہیں۔ خلافت کے بغیر اسلام کو ایک نامکمل عمارت سمجھتے ہیں۔

دونوں کے فکر و عمل میں درج ذیل امتیازات نظر آتے ہیں:

۱۔ اقبال کا انداز شاعرانہ اور فلسفیانہ ہے۔ وہ اپنی شاعری سے خلافت کے روحانی، اخلاقی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری اور فکر کے ذریعے انفرادی خودی کی تربیت کرتے ہیں۔ یعنی اصل ترجیح فرد کی تربیت ہے، تاکہ وہ نظامِ خلافت کو قائم کرنے کے قابل بن سکے۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد کا انداز خطیبانہ، تبلیغی اور عملی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا کہنا ہے کہ صرف زبانی اور نظریاتی طور پر تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ اس مقصد کے لیے عملی اقدامات کرنے ہوں گے اور اس کے لیے انہوں نے تنظیم بھی بنائی جس کا نام "تنظیم اسلامی" رکھا۔ ان کے نزدیک اصل ترجیح اجتماعی نظام کا قیام ہے۔ یعنی ریاستی ڈھانچے پہلے قائم ہو پھر اس کے ذریعے افراد کی تربیت کی جائے۔

۲۔ اقبال جمہوریت کے مخالف نہیں لیکن رائج جمہوریت کے قائل نہیں۔ یعنی وہ مغربی جمہوریت کے موجودہ نظام پر تنقید کرتے ہیں۔ البتہ وہ مغربی سماجی علوم سے استفادے کو مثبت سمجھتے ہیں تاکہ مسلمان جدید دنیا سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ اس لیے وہ جمہوریت پر اپنی منفرد رائے کے لیے روحانی جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد جمہوریت کے خلاف ہیں۔ وہ جمہوریت کو خلافت کی ضد سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق جمہوریت کے ساتھ اسلامی لفظ لگانے سے وہ اسلامی نظام نہیں بن جاتا۔ جمہوری نظام مغرب کا قائم کردہ نظام ہے جو اسلام کے منافی ہے۔

۳۔ اقبال بنیادی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پارلیمانی نظام کی بات کرتے ہیں۔ جس میں اجتماعیت نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد پارلیمانی نظام کی بجائے صدارتی نظام کے قائل ہیں۔ جس میں فرد واحد نسبتاً طاقتور ہوتا ہے۔

۴۔ اقبال نے اجتہاد کو لازمی قرار دیا اور پارلیمنٹ کو اجتہاد کا مرکز بنایا۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ قانون سازی پارلیمنٹ کے ذریعے کی جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اجتہاد کے تو قائل ہیں لیکن وہ پارلیمنٹ کے کردار کو محدود سمجھتے ہیں۔ وہ فقط مباحثات میں قانون سازی کر سکتی ہے۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد مسلمانوں کے لیے ایک ایسے نظام کو ہی بہترین نظام قرار دیتے ہیں۔ جس میں قرآنی اصول بنیاد بنیں اور انسان کی روحانی حیات کی بالیدگی کو بھی مادی حیات کی ترقی کے ساتھ محور بنایا جائے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے دونوں مسلمہ مکاتب فکر کچھ عقائد اور اصول کے فرق کے ساتھ ایسے ہی نظام کے قائل ہیں، ایک اسے نظام خلافت کہتا ہے تو دوسرے کے نزدیک اسے نظام ولایت فقیہ کے عنوان سے معنون کیا جاتا ہے۔ دونوں میں نقطہ اشتراک ایک منتخب صالح و مجتہد قیادت ہے۔ انسان کی انفرادی و سماجی زندگی میں زمان و مکان سے مطابقت رکھنے والا معاشی، سیاسی و اجتماعی عدل و انصاف ہی وہ معیار ہے جو کسی بھی نظریے کے صائب و باطل ہونے کو ثابت کر سکتا ہے۔

عالمی معاشی و سیاسی نظام میں طاقت کے مرکز، قدرتی ذرائع سے مالا مال ممالک میں آمریتوں کے فروغ، ریاستی و غیر ریاستی دہشت گردی کی پشت پناہی، استحصال زدہ تیسری دنیا کو اپنے ناجائز مفادات کے بھینٹ چڑھانے کی پالیسی اور ابلاغیات کی ہوش ربا ترقی کے ساتھ منافع محور کلچر کے فروغ کے لیے کی جانے والی برین واشنگ نے اخلاقیات کو بھی طبقاتی بنادیا ہے۔ عوام اہل و ناہل کی تشخص سے عاری ہو رہے ہیں، تیسری دنیا کی معاشی گھٹن میں انسانی اقدار رو بہ زوال ہیں۔ ان حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ انسان کسی ایسے نظام کے بارے میں سوچے جس کی بنیادیں تخصص اور اخلاقی اقدار کی متوازن آمیزش پر مبنی ہوں۔ ایسے میں نظام خلافت ہو یا کوئی دوسرا نظام، بار دیگر پڑتا ہے اور پرکھ کا تقاضا کرتا ہے۔ انسان کا اخلاقی و سماجی ارتقا فقط آگے بڑھنا نہیں ہے بلکہ آئین نو، اسی صورت مثالی ہو سکتا ہے جب وہ طرز کھن کے محاسن بھی لیے ہوئے ہو۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ سورۃ البقرہ، القرآن، آیت نمبر ۳۰
- ۲۔ مولانا مودودی، خلافت و ملکیت، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۲۰ء صفحہ نمبر ۳۴
- ۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۶
- ۴۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، مکتبہ خدام القرآن لاہور، ۲۰۰۵ء ص ۷۵
- ۵۔ ایضاً، ص ۹
- ۶۔ سورہ حجرات، القرآن الکریم، آیت ۱۰
- ۷۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸
- ۸۔ ایضاً، ص ۷۷
- ۹۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، خطبات دینی جلد ۲، ادارہ تنظیم اسلامی، ص ۹۱

- ۱۰۔ ایضاً، ص ۸۱
- ۱۱۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۶۶۱
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۷۰۴
- ۱۳۔ سورہ شوریٰ، القرآن، آیت نمبر ۳۸
- ۱۴۔ مودودی، مولانا، اسلام کا نظام حیات، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص ۱۴
- ۱۵۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۴۳
- ۱۶۔ اقبال، مضمونہ نذیر نیازی، سید، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، بزم اقبال، جنوری ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۱
- ۱۷۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، آئیڈیل پرنٹنگ، ۱۹۸۲ء، ص ۴۲
- ۱۸۔ اقبال، مضمونہ نذیر نیازی، سید، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، بزم اقبال، جنوری ۲۰۱۰ء، ص ۲۱۹
- ۱۹۔ قیوم نظامی، زندہ اقبال، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۳
- ۲۰۔ ایوب صابر، سہیل عمر، مرتبین، علامہ اقبال کا تصور امتیاز، اقبال اکادمی، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۴۵
- ۲۱۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، ص ۹۴

References in Roman Script:

1. Surah Baqra, Al-Quran, Ayat 30
2. Mododi, Syed, Khilafat o Malokyat, Idara- Tarjman-ul-Quran Lahore, 2022, p. 34
3. Allama Iqbal, Kulyat e Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 1997, p. 126
4. Israr Ahmed, Dr. Khilafat ki Haqiqat aur Asr-e-Hazir main is ka Nizam, Maktaba Khuddam Al Quran, Lahore, p.75
5. Ibid p.79
6. Surh, Al Hujrat, Al-Quran Ayat 10
7. Iqbal, Allama, Kulyat e Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 2014, p. 187
8. Ibid p.277
9. Israr, Ahmed, Dr., Khutbaat Dini, Jild 2, Idara tanzeem-e-Islami, p. 910.
10. Ibid, p. 81.
11. Allama Iqbal, Kulyat e Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 1997, p.204.
12. Ibid, p. 704
13. Surah – Shura, Al-Quran, Ayat 38.
14. Mododi, Molana, Islam ka Nizam-e-Hayat, Islamic Publications Lahore, p. 14
15. Allama Iqbal, Kulyat e Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 1997, p. 437
16. Iqbal, Mashmula Nazir Niazi, Syed, Tashkeel-e-Jadeed-e-Ilahiyat Islami, bazme-e-Iqbal, January, 2010, p.231
17. Israr Ahmed, Dr, Allama Iqbal, Quaid-e-Azam aur Nazriya-e-Pakistan, Ideal printing press, p.42
18. Iqbal, Mashmula Nazir Niazi, Syed, Tashkeel-e-Jadeed-e-Ilahiyat Islami, bazme-e-Iqbal, January, 2010, p.219

19. Quyyum Nizami, Zinda Iqbal, IIm-o-Irfan Publishers, Lahore, 2022, p. 103
20. Ayub Sabir, Sohail Umer, compiler, Allama Iqbal ka Taswaar-e-Ijtihad, Iqbal Academy Lahore, 2008, p. 45
21. Israr Ahmed, Dr, Khilafat ki Haqiqat aur Asr-e-Hazir main is ka nizam, maktiba khuddam Al Auran, Lahore, p. 94



Mrs. Saima Habib is a PhD Scholar in the Department of Urdu at Federal Urdu University of Arts Science & Technology, Islamabad, Pakistan. She holds an MPhil degree from the same university. Her primary research interest is Iqbaliyat, with a focus on the literary, philosophical, and thematic dimensions of Allama Iqbal's works.



Dr. Syed Aoun Sajid Naqvi serves as an Assistant Professor in the Department of Urdu at Federal Urdu University of Arts Science & Technology, Islamabad, Pakistan. He earned his PhD from the University of Tehran, Iran. His scholarly interests encompass Urdu Criticism and Iqbaliyat, with a strong focus on contemporary analytical perspectives. He has published twenty-two research articles and authored one book.